حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

کمیونزم (سرمایہ داری) اور اسلام

اکتنازیت
اشتراکیت
اسلامی اعتدالیت

گذشتہ سے پیوستہ

شجاعت اور سرمایہ داری

شجاعت اس کا نام ہے کہ ایک آدمی منفعتِ عامہ اور انسانیت کے بلند مقاصد کے لئے جان کی قربانی دے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا ایک فرد جب ایک محتاج کی حاجت روائی کے لئے بلاسود پانچ روپے نہیں دے سکتا تو وہ جان کی قربانی کب دے سکیگا۔ یہی وجہ ہے کہ سودخور اقوام سخت بزدل اور شجاعت سے خالی ہوتے ہیں۔ ایسی قومیں جب فوج کو لڑاتی ہیں تو شراب نوشی کے ذریعہ مصنوعی شجاعت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن حقیقت پھر بھی نہیں بدلتی جسکی بڑی دلیل دنیا کی عظیم ترین سرمایہ دار حکومت امریکہ کی وہ جنگ ہے جو وہ گذشتہ چند سالوں سے اپنے بے پناہ وسائل کے ذریعہ ایک چھوٹی غیر ترقی یافتہ معمولی ریاست سے لڑ رہی ہے یعنی شمالی کوریا اور شمالی ویٹنام کے ساتھ۔ امریکہ نے ان دونو لڑائیوں میں اپنی پوری قوت جھونک دی۔ لیکن نہ وہ شمالی کوریا کو شکست دے سکا۔ اور نہ شمالی ویٹ نام کو شکست دے سکتا ہے۔ اور نہ دے سکے گا۔

ان دونوں جنگوں نے ثابت کر دیا کہ سرمایہ دار سودخور قومیں بنیوں کیطرح بہادری سے خالی ہوتی ہیں۔ اور بہادری کے بغیر مشینی طاقت فیصلہ کن نہیں۔ اخلاقی اعتبار سے امریکہ صفر ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس صفر قوم کو سائنسی آلاتِ حرب اور دولت کا حفاظتی قلعہ کب تک محفوظ رکھ سکتا ہے۔ غالباً جب سرمایہ دار اقوام کی اسلحہ سازی کا ہنر معمولی اقوام میں پھیل جائے گا۔ اگرچہ امریکہ اور یورپ کے برابر نہ ہو تو وہ وقت ان ممالک کی تباہی کا وقت ہوگا۔ اور انسان اور انسان کی جنگ ہوگی۔ تو جس قوم میں اخلاقی اقدار کی برتری ہوگی، وہی فتح پائے گی۔

سرمایہ داری نظام کی اقتصادی تباہیاں

کسی قوم کی اقتصادی حالت اسوقت بہتر ہو سکتی ہے۔ کہ قوم کے تمام افراد کو ضروریاتِ زندگی میسر ہوں اور کوئی فرد ضروریاتِ حیات سے محروم نہ ہو۔ لیکن اگر ایک قوم کے محدود چند افراد کے پاس دولت اور ضروریاتِ حیات کے انبار لگے ہوں۔ اور اکثر افراد ضروریاتِ حیات سے محروم ہوں تو یہ قومی حیثیت سے اقتصادی انحطاط ہے، ترقی نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دولت کو چند افراد یا خاندانوں میں محدود رکھتا ہے۔ جبکہ وہ افراد شیطانی اور مسرفانہ اخراجات میں صرف کر دینے کے باوجود ختم نہیں کر سکتے۔ اور قوم کی باقی اکثریت مفلوک الحال ہوتی ہے۔ غربت اور افلاس کا دائرہ اس نظام کی وسعت کے انداز پہ ہوگا۔ جسقدر ممالک اور اقوام پر سرمایہ دار ملک بالذات یا بالواسطہ اقتدار قائم کرلیتا ہے۔ ان سب ممالک کی پوری آبادی کی اکثریت مفلوک الحال اور فاقہ مست ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام دولت کے خون کو جذب کرنے میں ایک طاقتور جونک کیطرح ہے کہ جہاں اس کا اثر پہنچا وہاں سے اس نے دولت کا خون چوس لیا۔ آجکل دنیا کے اکثر حصوں پہ بالذات یا بالواسطہ سرمایہ دار ملکوں کا اثر ہے۔ اسلئے دنیا کو پوری آبادی کی اکثریت فاقہ میں مبتلا ہے۔ اگرچہ مشینی آلات زراعت اور آبپاشی کے سائنسی وسائل کے ذریعہ زمینی پیداوار بڑھانے میں انتہائی کوشش کی گئی اور کی جا رہی ہے۔ پھر بھی وہ سرمایہ دارانہ نظام کی لائی ہوئی بھوک دور کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی جسکی بڑی دلیل اقوام متحدہ کی سماجی رپورٹ مندرجہ انجام کراچی ۱۷ مئی ۱۹۵۳ء ہے۔ جس میں درج ہے کہ "دنیا کی آبادی کا نصف حصہ فاقہ کشی اور ضروریات مہیا نہ ہونے کی وجہ سے بیماری میں مبتلا ہے" ۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی نصف آبادی کے پاس نہ خوراک کے لئے روپیہ ہے۔ اور نہ علاج کے لئے دوا کی قیمت۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے زمین کی مجموعی دولت بقدرِ ضرورت تمام انسانوں کے حصے میں نہیں آتی۔ بلکہ چند مہاجنوں، کارخانہ داروں اور سود خوروں میں بند ہوگئی ہے۔ دولت اجتماعی زندگی کے لئے ایسی ہے۔ جیسے خون شخصی زندگی کے لئے۔ اگر بدن سے حاصل شدہ خون کسی ایک عضو میں بند ہو جائے تو باقی اعضاء کی نشو و نما کے لئے کیا بچے گا۔ اور ایسی صورت میں ان کا کیا حال ہوگا۔ اسی طرح انسانیت بھی ایک واحد وجود ہے۔ اور مختلف طبقات مختلف اعضاء ہیں۔ اگر ایک طبقہ یعنی امراء انسانی مادہ حیات یعنی وسائل رزق پر قابض ہو جاتا ہے۔ تو باقی طبقات کی محرومی یقینی ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید نے مال کو مادہ حیات انسانی قرار دیا ہے۔ ولا تؤتوا السفهاء أموالكم التي جعل الله لكم قياماً

"تم نادانوں کے ہاتھ میں مال مت دو جس سے تمہاری زندگی قائم ہے"۔ آجکل مال پر تقریباً سفہاء اور بیوقوفوں کا قبضہ ہے جسکو وہ بیجا اڑاکر خرچ کرتے ہیں۔ جیسے آگے چل کر بیان ہوگا۔ مادہ حیات مال ہے، اجتماعی زندگی کے لئے جسطرح خون شخصی زندگی کے لئے مادہ حیات ہے۔ تو مادہ حیات کا چند افراد یا خاندانوں میں بند ہوجانا نامعقول ہے۔ بلکہ خون کی طرح اسکی گردش اور حرکت ضروری ہے۔ قرآن مجید نے مال غنیمت پوری فوج پر تقسیم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ۔ تاکہ مال صرف دولتمند طبقے میں چکر نہ لگائے۔ بلکہ دیگر افراد بھی اس سے متمتع ہوسکیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کا دوسرا اقتصادی نقصان سرمایہ دارانہ نظام میں ناجائز کمائی کی وجہ سے مثلاً رشوت، قمار بازی، عقود فاسدہ، غصب، نہب، سمگلنگ وغیرہ کی وجہ سے ایک خاص طبقہ میں افراطِ زر پیدا ہوجاتا ہے جس سے ضروریات زندگی کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اور عوام قوت خرید نہ ہونے کے باعث ضروریات کی خرید سے عاجز ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا وہ غربت و افلاس اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ صرف ایک قلیل طبقہ خوشحال ہوتا ہے۔ لیکن عوام کی حالت قابل رحم ہوتی ہے۔ اس لئے عوام کی اقتصادی حالت ناہموار ہوجاتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا تیسرا اقتصادی نقصان عوام جب محنت کرکے بھی افراطِ زر اور اشیاء صرف کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے اسکو نہیں خرید سکتے اور باوجود مشقت کرنے کے بھوک اور افلاس میں مبتلا رہتے ہیں۔ تو اجرت عمل کے اضافہ کیلئے ہڑتالوں کی نوبت آتی ہے۔ جب اس سے بھی مقصد پورا نہیں ہوتا۔ تو ان کے جذبۂ عمل اور جوشِ محنت میں کمی پیدا ہوجاتی ہے۔ جس سے کسبِ مال کی تحریک کمزور ہوجاتی ہے۔ اور برآمد کی کمی کی وجہ سے عمومی معاشی حالت خراب ہوجاتی ہے۔ سرمایہ دار ممالک میں روزمرہ ان امور کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

سرمایہ داری کا سیاسی نقصان مستحکم حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام مطمئن ہوں۔ اور ان میں باہمی کشمکش اور طبقاتی خصومت اور منازعت نہ ہو۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کہ اس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہونے لگتا ہے۔ جس سے طبقاتی جنگ پیدا ہوجاتی ہے۔ اور جب عوام یہ محسوس

کرنے لگتے ہیں۔ کہ اس جنگ اور خستہ حالی کا اصلی سبب وہ حکومت ہے جو اس نظام کی حفاظت کرتی ہے۔ اور اس نظام کو قائم رکھنا چاہتی ہے، تو عوام کی نفرت کا رُخ حکومت کیطرف پھر ہو جاتا ہے۔ اور عوام اور حکومت میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اور تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول کے تحت عوام اور حکومت کے تصادم کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔

غلام گرسنہ دیدی کہ بر در بدآخر   قبا رشاہ کہ رنگین ز خونِ ما بودہ است

اور کسان کے ضمیر کی یہ آواز ہوتی ہے

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی   اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

آپ کو ہڑتالوں اور بغاوتوں کا سلسلہ جن حکومتوں میں نظر آتا ہے۔ وہ اسی ناہموار معاشی نظام کا نتیجہ ہے۔ جس سے حکومت غیر مستحکم ہو جاتی ہے۔

سرمایہ داری کا دوسرا سیاسی نقصان

سرمایہ دارانہ نظام عوام کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ امیر، غریب، امراء میں حب مال کی بنا پر بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور غرباء میں نظام حکومت سے نفرت کی وجہ سے بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جسکی وجہ سے اب حکومت کے پاس اپنی مملکت کی حفاظت اور دفاع کے لئے کچھ نہیں رہتا۔ امراء بزدلی کی وجہ سے اہلیت دفاع سے محروم ہیں۔ اور غریب عوام خود حکومت سے متنفر ہوتے ہیں۔ حکومت کی حفاظت قربانی اور جذبۂ جان نثاری کے بغیر ممکن نہیں اس لئے بیرونی حملہ آور آسانی کے ساتھ ایسے ملک پر قبضہ کر سکتا ہے۔ ویٹ نام کی جنگ اسکی مبین دلیل ہے۔ عوام ویٹ کانگی اس جنگ میں جس بہادری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ امریکی عوام میں وہ جذبہ نہیں۔ نتیجہ یہ کہ امریکہ کو اپنے بے پناہ وسائل جنگ کو کام میں لانے کے باوجود اس چھوٹی سی ریاست کے مقابلہ میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ شکست ہو رہی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ میدان جنگ میں ہتھیار اور آلات حرب خود نہیں لڑتے بلکہ انسانی قوت ان آلات کو استعمال کرتی ہے۔ اور ان کی قوت قلبی شجاعت اور جفاکشی، جوشِ عمل پر فتح و شکست کا مدار ہوتا ہے۔ اور وہ امریکی عوام میں صفر ہے ـــ اب تو سائینسی آلات حرب اور دولت نے کچھ اسکی لاج رکھی ہے۔ جب یہ آلات عام ہو جائیں گے تو امریکہ کا انحطاط نمایاں ہو جائے گا۔ اور پردہ چاک ہو جائیگا۔

سرمایہ داری کا تیسرا سیاسی نقصان

مضبوط سیاسی نظام کیلئے یہ ضروری ہے کہ قوم اور مملکت کے تمام افراد متحد اور منظم

ہوں۔ ان میں انتشار، تفریق اور طبقاتی کشمکش نہ ہو۔ ورنہ سیاسی نظام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور داخلی کمزوری کی وجہ سے قوم اور مملکت ضعیف ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں یہ کشمکش ضرور موجود ہوتی ہے۔ اسی کمزوری کی وجہ سے ایسی مملکت حملہ آور کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔۔۔ جرجی زیدان کا خیال ہے کہ اسلامی قوت نے روم اور فارس کی حکومت کو اس وجہ سے شکست دی کہ ان میں سرمایہ داروں کے نظام کی وجہ سے عوام بددل تھے۔ اور اسلامی انصاف کے لئے چشم براہ تھے۔ یہ بات اگرچہ کلیتہً درست نہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اسلامی مملکت کا اندرونی معاشی اور عدالتی نظام مقابلۃً معقول اور مستحکم تھا۔

سرمایہ داری کا چوتھا سیاسی نقصان

سیاسی استحکام کیلئے یہ ضروری ہے۔ کہ افراد مملکت صحت بدن، پختگی کردار اخلاق، جفاکشی اور موت سے بے خوفی جیسے اوصاف کے حامل ہوں۔ تاکہ وہ زندگی کے تلخ واقعات کا پوری ہمت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام جس قسم عیاشانہ زندگی کو جنم دیتا ہے۔ وہ ان صفات کے خلاف ہوتی ہے۔ اخلاقی قوت اور پختگی سیرت کو تباہ کرنے والی چیزیں مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ شراب نوشی　۲۔ سگریٹ　۳۔ زنا　۴۔ لواطت اور اغلام　۵۔ چوری

اب سرمایہ دار ممالک کی اخلاقی کیفیت ملاحظہ ہو۔

شراب | انگلستان میں سالانہ ۴ ارب ۴، کروڑ روپے کی شراب لنڈھائی جاتی ہے۔ سسیچ ۲۷ مئی ۱۹۲۷ء، یہ چالیس سال قبل کی شراب نوشی ہے۔

امریکہ کے باشندے شراب پر سالانہ ۹ ارب ۱۵ کروڑ ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ اگر ڈالر کی قیمت پانچ روپے پاکستانی ہو تو مجموعی طور پر شراب کا خرچ پاکستانی سکہ کے حساب سے ۴۵ ارب ۷۵ کروڑ روپے ہے۔ میزان کوئٹہ ۱۶ جولائی ۱۹۵۲ء

صرف ملکہ الزبتھ ۳۹ واں کے جشن تاجپوشی کی مجلس میں ۳۴ کروڑ روپے کی شراب خرچ ہوئی۔ امروز ۳ جون ۱۹۵۳ء

سگریٹ | رپورٹ مندرجہ انجام کراچی ۱۰ فروری ۱۹۵۵ء کے مطابق صرف آٹھ سرمایہ دار ممالک میں سگریٹ پر سالانہ پچاس ارب پچاس لاکھ کی رقم خرچ کرتے ہیں۔

زنا | رپورٹ مندرجہ نوائے وقت لاہور ۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء کے مطابق گذشتہ جنگ عظیم

میں امریکی فوجوں نے جاپانی ماؤں سے خفیہ اور اسقاط صورتوں کے علاوہ بیس لاکھ حرامی بچے چھوڑے اس کے برخلاف اسلامی فوجوں نے دنیا کے اکثر حصے کو فتح کیا۔ لیکن زنا کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔۔۔ امریکہ میں ۱۲ سالہ نوجوان ہیرالن کیساتھ تین دوشیزہ عورتوں نے سات مرتبہ زنا بالجبر کیا۔ پاسبان کوئٹہ ۲ مئی ۱۹۵۲ء۔ اب تک انسانی تاریخ میں مرد کا زنا بالجبر تو آپ نے سنا ہوگا۔ لیکن عورتوں کا مرد کو زنا پر مجبور کر دینا ترقی کا انوکھا واقعہ ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے ہتھیار ڈالنے کی خوشی میں سان فرانسسکو میں فوجیوں نے شراب پی، دوکانیں لوٹ لیں، اور دوشیزاؤں کی عصمت دری کی اور عام سڑکوں پر ان کو ننگا کر دیا۔ نوائے وقت لاہور ۲۶ اگست ۱۹۵۳ء۔ برطانیہ میں مادر زاد ننگوں کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ نوائے وقت ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء

لواطت اور اغلام | امریکہ کے سپریم کورٹ کے جج نے دو لاکھ ننگی اور گندی تصویروں کو دیکھ کر کہا کہ نیویارک سدوم اور عموریا بنتا جا رہا ہے۔ (یہ قوم لوط علیہ السلام کی لواطت کے جرم میں تباہ شدہ بستیوں کے نام ہیں۔) صدق جدید ۳ دسمبر ۱۹۵۴ء

اغلام بازی تہذیب فرنگ کا جزو بن گیا ہے۔ لنڈن ٹائمز ۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء

۴ جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلستان کے دارالعوام اور دارالامراء میں ۱۴ کے مقابلہ میں ۶۹ ووٹوں کی اکثریت کے ساتھ تالیوں کی گونج سے یہ قانون پاس ہوا کہ بالغ مرد باہمی رضامندی کے ساتھ تلذذ بالمثل حاصل کر سکتے ہیں جس پر ملکہ الزبتھ کے دستخط ہو کر اب جواز لواطت انگلستان کا قانون بن گیا۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک۔ اگست ۱۹۶۷ء

انگلستان میں کلیسا، گرجے، پارلیمنٹ اور سب شعبوں میں لواطت عام ہے۔ صدق جدید ۶ جنوری ۱۹۵۶ء

چوری | امریکہ کے محکمہ تحقیقات کی رپورٹ ہے کہ امریکہ میں ہر سیکنڈ میں ایک بڑا جرم ہوتا ہے۔ ہر ۲۴ گھنٹے میں ۴۶۳ موٹریں چرائی جاتی ہیں۔ پاسبان کوئٹہ ۴ جنوری ۱۹۵۰ء

صدر کینیڈی کی صدارتی تقریب جو واشنگٹن میں منائی گئی۔ اس میں گیارہ ہزار پیالے۔ چھ ہزار شیشے، ٹرے۔ چھ سو رومال۔ ایک بڑی مشین چرائی گئی۔ ترجمان اسلام ۲۱ اپریل ۱۹۶۱ء

یہ مشت نمونہ از خروارے ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ یورپ کی اخلاقی حالت بے لگامی کی کس حد تک پہنچ گئی ہے۔ ان امور سے جو اخلاقی انحطاط پیدا ہوتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا اصلی سرچشمہ یہود ہیں

آجکل نصف دنیا سے زیادہ ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہے۔ جس کے مفاسد اور تباہیاں مختصر بیان کی گئیں۔ اس نظام اور اس نظام سے پیدا شدہ تباہیوں کا اصلی سرچشمہ قوم یہود ہے۔ اس قوم کا پہلا مرکز فلسطین اور جزیرۃ العرب تھا۔ جن کے سودی کاروبار نے پوری عرب قوم کو مفلس اور قلاش بنا دیا تھا۔ قرآن پاک نے بھی ان کی سرمایہ داری اور اکتنازیت کی شدید مذمت کی اور ارشاد ہوا: والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ جو لوگ سونے اور چاندی کے خزانے رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دو۔ حضرت معاویہؓ سے بخاری کتاب الزکوٰۃ میں روایت ہے کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے حق میں ہے۔ عرب اور بالخصوص مدینہ میں اہل کتاب میں سے زیادہ یہودی آباد تھے۔ اور وہی سرمایہ داری اور اکتنازیت کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے۔ اسلام جب غالب آیا تو یہود اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور عرب سے نکل کر کے یورپ میں اور بعد ازاں امریکہ میں پھیل گئے۔ اور اپنا سودی کاروبار اور سرمایہ دارانہ نظام بھی ساتھ لے گئے۔ جسکو انہوں نے تمام یورپ اور امریکہ میں پھیلایا۔ اب بھی یہود کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی چالیس فیصد دولت پر قابض ہیں۔ انہی یہود کی وجہ سے نصف دنیا سود اور سرمایہ دارانہ نظام کے جہنم کدہ میں جل رہی ہے۔ اور اسی یہودانہ نظام نے استعمار کی شکل میں دنیا کے ایک بڑے حصے کو غلام بنا دیا ہے۔ جو بیدار ہونے کے بعد حصولِ آزادی کے لئے برابر لڑتے ہیں۔ استعمار قائم کرنے اور بعد ازاں استعمار سے آزادی حاصل کرنے میں جسقدر خون ریزیاں ہوئیں یا آئندہ ہونگی یہ اس یہودانہ نظام کے نتائج ہیں ——

سرمایہ دار ممالک کے عوام غریب ہیں

اس ناہموار اور غیر متوازن نظام کے جو مہلک نتائج ہم نے بیان کئے وہ صرف عقلی و منطقی نہیں بلکہ واقعاتی اور تجرباتی ہیں —— برطانیہ کی آبادی ۱۹۲۹ء میں چار کروڑ تین لاکھ تھی۔ اور فی کس سالانہ آمدنی ستر روپیہ تھی۔ لیکن اس عظیم تعداد میں لکھ پتی صرف ۵۴۳ تھے۔ المقتطف مصر نومبر ۱۹۳۰ء۔ گویا اسراف کے مرکز میں آسودہ حال یہی چند سو آدمی تھے۔ باقی افراد کا حال ، رمئی ۱۹۲۶ء کی مندرجہ ذیل رپورٹ اعداد مردم شماری میں حسب ذیل ہے۔ ہمارے ملک انگلستان میں چوتھائی آبادی تقریباً ایک کروڑ ایسی ہے جو ناداری میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور دوسری ایک کروڑ ایسی ہے جو نیم فاقہ کشی

کی حالت میں دن کاٹ رہی ہے۔ جو آرام و آسائش کے نام سے بھی واقف نہیں اور مویشی رکھنے تک قادر نہیں۔ انگلستان نے جب فقراء اور مساکین کا حصہ خزانہ میں مقرر کیا تو کہا گیا کہ اب افلاس کم ہوا جس پر ڈیلی ہیرلڈ نے لکھا۔ اب بھی بہت گھرانے ہیں جنکو گوشت سبزی بغیر آلو کے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ایک طرف یہ افلاس اور دوسری طرف آسودہ حال طبقہ سالانہ چار ارب ۲، کروڑ کی رقم شراب پر خرچ کرتا ہے۔ اس فقر نے برتھ کنٹرول پیدا کیا۔ سچ لکھنو ۵ رفروری ۱۹۲۶ء۔

—— یہ اس عظیم سرمایہ دار ملک کا حال ہے جسکی سلطنت پر آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ امریکہ میں سالانہ اوسطاً ایک لاکھ ڈاکے پڑتے ہیں۔ اور پانچ لاکھ چوریاں ہوتی ہیں جسکا بڑا سبب فقر اور افلاس ہے۔ سچ ۱۱ اپریل ۱۹۲۷ء بحوالہ سنڈے ایکسپریس بانیر الہ آباد۔

فقر کی وجہ سے خودکشی پر آمادہ ہونے والوں کی سالانہ تعداد صرف انگلستان میں ۵ ہزار ہے۔

اکتنازیّت نے اشتراکیّت کو جنم دیا

اکتنازیت اور سرمایہ داری کے غیر فطری نظام نے بیشمار مفاسد کو پیدا کیا جس سے خود اس کے پیٹ سے اس کا توڑ یعنی اشتراکی نظام پیدا ہوا۔ اسی کے پیٹ سے ہم نے اس لئے کہا۔ کہ دونو غیر فطری تحریکوں (سرمایہ داری اور کمیونزم) کے موجد اور بانی یہودی ہیں۔ کمیونزم یا اشتراکیت کے بانی شوپن ہار المانی۔ کارل مارکس۔ لینن ہیں۔ اور یہ تینوں یہودی ہیں۔ (دیکھئے طنطاوی کی تفسیر الجواہر ص ۱۴۰/۲) ان دونوں یہودانہ تحریکوں نے کل دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا۔ مشرقی اور اشتراکی بلاک۔ اور مغربی سرمایہ دار بلاک دونو میں اسلحہ سازی کی دوڑ جاری ہے۔ اور ان دونوں نظاموں کی کشمکش سے لاکھوں کروڑوں جانیں ضائع ہوئیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ جس کے لئے مہلک ترین آلہ یعنی ایٹم بم آئن سٹائن یہودی نے ایجاد کیا ہے۔

سرمایہ داری کیطرح کمیونزم کے بانی بھی یہودی ہیں

عالم کا یہ مادی فتنہ جس نے دو بلاکوں میں دنیا کو تقسیم کیا۔ اور ان دونوں میں مستمر سرد یا گرم جنگ قائم ہے۔ یہودی فتنہ ہے۔ اس ملعون قوم نے ان دونوں نظاموں کو تشکیل دی اور اپنے زور قلم سے عالم میں اسکو مقبول بنایا۔ اب پوری دنیا یہودی چکی کے ان دو پاٹوں میں (سرمایہ داری کمیونزم) پسی جا رہی ہے۔ یہ ملعون قوم صرف اس معاشی فتنہ کی علمبردار نہیں۔ بلکہ تمام دینی فتنوں کا اصلی سرچشمہ بھی یہود ہیں ——

عیسائی توحید پولوس یہودی

توحید جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصلی دین تھا، اسکو پولوس یہودی نے منافقانہ طور پر عیسائی بن کر تثلیث، کفارہ اور

الوہیت کی شکل میں تبدیل کیا جسکی وجہ سے اصلی مسیحیت نے بگڑ کر جدید صنمیت کی شکل اختیار کی تفصیل کے لئے الجواب الفصیح لمالفقہ عبدالمسیح کو دیکھیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بحث سے فارغ ہو کر اب ہم اشتراکی نظام پر بحث کریں گے۔ اور آخر میں اسلام کا معاشی نظام یعنی اعتدالیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ تاکہ صحیح موازنہ کیا جا سکے۔

کمیونزم کا تاریخی پس منظر

اسباب معاش اور وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم کی حد تک کمیونزم نظریات کی جھلک دور قدیم میں بھی نظر آتی ہے۔ افلاطون جو چوتھی صدی قبل از مسیح میں گذرا ہے۔ جارج سول اپنی مشہور کتاب "عظماء کے معاشی نظریات" صفحہ پر افلاطون کا معاشی نظریہ نقل کرتے ہیں۔ افلاطون حکمران طبقے کے لئے اس سے زیادہ جائداد پر قابض رہنا مناسب نہیں سمجھتا تھا جسکی بناء پر ان کا گذارہ ہو سکے۔ اس کے نزدیک جائداد کی مشترکہ ملکیت کا اصول عام طور پر رائج ہونا چاہیے۔ ارسطو اپنے پیش رو افلاطون کے مقابلے میں زیادہ مبصر تھا۔ اس نے اپنے مشاہدے سے جو نظریات پیش کئے وہ دور جدید کے سائنس دانوں کے نظریات کا ابتدائی پر تو پیش کرتے ہیں۔ ارسطو نے سود پر روپے قرض دینے کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا۔ افلاطون کے برعکس ارسطو کی رائے یہ تھی۔ کہ جائداد کی مشترکہ ملکیت نہ تو ممکن العمل ہے۔ اور نہ اسے انسانی طبائع سے کوئی مناسبت ہے۔ (جارج سول کی معاشیات صفحہ ۳۷)

رومی سلطنت رومی سلطنت کا شیرازہ جب منتشر ہوا۔ تو تمام یورپ میں جاگیرداری کا نظام قائم ہوا۔ اور جاگیرداروں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا۔ جو پیداوار زمین میں حسب مراتب حصہ دار تھے۔ اور ہر بڑا جاگیردار چھوٹے جاگیرداروں سے مقرر حصہ وصول کرتا ہے۔ اور غلاموں اور مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ اس نظام میں جاگیردار کمزور طبقے پر بے حد ظلم کیا کرتے تھے۔ جس کے ازالے کی کوئی صورت نہ تھی۔ کیونکہ اقتدار جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کا مفاد مشترک تھا۔ کلیسا کو اگرچہ پورے یورپ پر اقتدار تھا۔ اور انہوں نے دنیوی حکمرانوں کیساتھ حصول اختیارات میں مقابلہ بھی شروع کیا۔ اور سابق دور کے

برخلاف کہ روپیہ صرف مبادلہ کا ذریعہ ہے۔ یعنی روپیہ اس لئے ہے کہ اسکو دیگر جنس خرید لیا جائے۔ نہ یہ کہ خود اسکو جنس بناکر پیداوار دولت کا ذریعہ قرار دیا جائے۔ کلیسا کا پیشوا اکوئی جو قبل ازیں ارسطو کیطرح سود کی مذمت کرتا تھا۔ اس نے یورپی معاشیات میں مندرجہ ذیل صورتوں میں سود وصول کرنے کو جائز قرار دیا۔

۱۔ روپیہ قرض دینے والا نفع حاصل کرنے کے مواقع سے محروم ہو جائے۔
۲۔ قرضہ دینے والے کو نقصان یا صدمہ پہنچے۔
۳۔ قرض لیا ہوا روپیہ ادا نہ ہو سکنے کی صورت میں نقصان کا خطرہ۔
۴۔ قرض روپے کی ادائیگی مدّت مقررہ سے تاخیر۔

اس مذہبی فتوٰی نے یورپ میں سودی کاروبار کو فروغ دیا جس سے غریب طبقے پر خاص ضرب پڑی۔ پہلے وہ جاگیردارانہ نظام کے بوجھ کے نیچے پس رہے تھے۔ اب سود خواری کا حملہ بھی شروع ہوا۔

صنعتی انقلاب

یورپ میں جب سائنس کی بدولت صنعتی انقلاب آیا۔ اور بڑے بڑے کارخانے قائم ہوئے۔ تو جاگیرداروں نے صنعت کو زیادہ نفع بخش سمجھ کر دولت کو کارخانوں پر صرف کرنا شروع کیا۔ اور اس طرح ایک حد تک جاگیردارانہ نظام صنعتی نظام میں تبدیل ہوا۔ یہ نظام برابر غیر متوازن چلتا رہا۔ اور کارخانے کی تیار شدہ اشیاء کے منافع میں مزدور کو صرف قوت لا یموت ملتا تھا۔ اور اسی کی محنت سے بنائی ہوئی مصنوعات کی باقی سب آمدنی مالک کارخانہ ہڑپ کر جاتا تھا۔ اور چونکہ یہی کارخانہ دار حکومت میں صاحب اقتدار تھے۔ تو اُن کی نفع اندوزی کی حرص کا اثر صرف مزدور طبقے پر نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ من مانے نرخ مقرر کر کے اشیاء صرف لاگت سے بہت زیادہ قیمت پر فروخت کرتے تھے جس سے مزدوروں کے علاوہ دیگر عوام کی معاشی زندگی بھی متاثر ہوتی تھی۔ مارکس کے استاذ ہیگل نے اس بے انصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور دیگر افراد نے بھی کوشش کی۔ کہ کارخانوں میں تیار شدہ اشیاء کی لاگت سے زیادہ قیمت مالک اور مزدوروں میں برابر تقسیم ہو۔ لیکن اس نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اب سرمایہ کا پیٹ اتنا پھولا کہ اس سے طبعی طور پر کمیونزم کا بچہ پیدا ہونا ناگزیر ہوا۔ چنانچہ اب اس نظریاتی تحریک نے عملی بلکہ سیاسی تحریک کی شکل اختیار کی۔ ہیگل خود اس فلسفہ کا موجد ہے

کہ ہر مثبت ایک دعویٰ ہے۔ اور ہر منفی اس کا جواب دعویٰ ہے۔ اور مثبت اور منفی کے بعد تطبیق رونما ہوتی ہے۔ یہ نظریہ ہیگل کے نزدیک مادیات، روحانیات، عقائد و اعمال سب پر حاوی ہے۔ سرمایہ داری نے فرد کا حق ثابت کیا۔ اور جماعت کا حق نظرانداز کیا۔ کیمونزم نے شخصی اور انفرادی ملکیت کی نفی کی۔ اور جماعت کو ترجیح دی۔ بقول ہیگل اب ان دو نظریات متناقصہ کے بعد تطبیقی نظریہ کی ضرورت ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ وہ تطبیقی اور اعتدالی نظریہ معاشیات اسلام کا ہے جس کو ہم آگے چل کر تفصیل سے لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کارل مارکس

یہ جدید اشتراکیت کا سب سے بڑا داعی ہے۔ اور موجودہ اشتراکیت مارکسزم کا دوسرا نام ہے۔ جارج سول کے قول کے مطابق اس کے والدین یہودی تھے۔ ۱۸۱۸ء میں جرمنی میں پیدا ہوئے ہیگل کی نگرانی میں اس نے ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔ اس نے داس کیپٹل یعنی "سرمایہ" نامی کتاب کی پہلی جلد ۱۸۶۷ء میں شائع کی۔ اس کتاب کی دوسری اور تیسری جلد مارکس کی وفات ۱۸۸۳ء کے بعد شائع ہوئی۔ مارکس تنگ دستی میں دن کاٹتا تھا۔ کچھ مالی امداد انیجلز دیتا تھا۔ اگرچہ مارکس کی بہت سی پیشگوئیاں سرمایہ داروں اور مزدوروں کے متعلق غلط نکلیں۔ لیکن اس نے اپنے نظریات کی اشاعت کرکے ایک بااثر جماعت کو ہمنوا بنایا۔ ان نظریات نے اگرچہ اس کے دور میں ایک عظیم حکومت کی شکل اختیار نہیں کی۔ لیکن ان نظریات کے ایک دوسرے داعی کہ وہ بھی یہودی تھے۔ ان نظریات کو روس میں ایک کیمونزم حکومت کی شکل دی جس نے دین کی مخالفت کو بھی صرف اس لئے اپنے نصب العین میں شامل کیا۔ کہ برسرِ اقتدار کیمونزم طبقہ نے جس کے تمام ممبران کی تعداد ۲۶ لاکھ سے زیادہ نہ تھی، یہ محسوس کیا کہ دین پر یقین رکھنے والوں کی تعداد ستر زیادہ ہے۔ کہیں دین پرستوں کی اکثریت انقلاب برپا کرکے ان سے اقتدار نہ چھین لے۔ اس نے محکمہ تعلیم اور نشریات کے تمام وسائل کو کام میں لاکر انہوں نے دین کی مخالفت میں پروپیگنڈا شروع کیا۔ اور کہیں کہیں انہوں نے جبر سے بھی کام لیا۔ تاکہ اگر موجودہ نسل پوری کیمونسٹ نہ ہو۔ تو حکومت کے بے پناہ وسائل کے اثر سے آئندہ نسل کی تربیت ایسی ہو۔ کہ وہ دین سے بیگانہ ہوکر کیمونزم کے سانچے میں پوری طرح ڈھل جائے۔ اور اربابِ اقتدار کی نظریاتی اقلیت اکثریت میں تبدیل ہوسکے۔ اگرچہ مزدوروں کی حمایت کے نام سے ان کی حاصل کی ہوئی حکومت میں مزدوروں کے حصہ میں ملک کی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ تین فیصد حصہ آیا۔ باقی پر حکومت قابض ہوئی۔ اور مزدوری کی اجرت میں برائے نام اضافہ

بھی کر دیا گیا۔ لیکن اشیاء صرف پر حکومت کا قبضہ تھا۔ اس نے ایک طرف اجرت میں اضافہ کیا گیا۔ گویا مزدوروں کو ایک ہاتھ سے جو دیا وہ دوسرے ہاتھ سے واپس لیا گیا۔ اسکی دلیل دورۂ روس کے بھارتی وفد کے صدر کستوزا بھائی لال جی کا پارلیمنٹ میں وہ بیان ہے۔ جو نوائے وقت لاہور کی اشاعت ۳ر جنوری ۱۹۵۵ء میں درج ہے۔ صدر وفد دورۂ روس نے کہا کہ روس میں معیار زندگی پست ہے۔ کیونکہ ایک پاؤنڈ (ڈیڑھ پاؤ) مکھن کی قیمت ۲۱ روپے ہے۔ ایک قمیص کی قیمت ایک سو بیس روپے ہے۔ ایک سائیکل کی قیمت سات سو اسی روپے ہے۔ اس لئے کم لوگ سائیکل رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے اسی روپیہ ماہوار کمانے والے شخص کا گذارہ روس کے اس شخص سے جو ہزار روپے ماہوار کماتا ہے، اچھا ہے۔

کمیونزم کی تباہیاں

خونریزی

اس تحریک کی ابتداء انسان کی تباہی پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ روس میں قیام کمیونزم کیلئے انیس لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ بیس لاکھ کو مختلف سزائیں دی گئیں۔ اور پچاس لاکھ کو جلاوطنی کی سزائیں دی گئیں۔

۳ر دسمبر ۱۹۵۱ء میں پیرس کی اتحادی اسمبلی میں چینی نمائندہ نے رپورٹ پیش کی، کہ کمیونزم قائم کرنے کے لئے چین نے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی پر لٹکایا (رپورٹ مندرجہ انجام ۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

معاشی تباہی

اس تحریک کا مقصد انسانوں کو سرمایہ داروں کے ظلم سے نجات دلانا تھا۔ اس لئے کمیونسٹ حکومتوں نے ذرائع معاش پر قبضہ کیا۔ لیکن درحقیقت انہوں نے تمام سرمایہ داروں کو مٹا کر ذرائع معاش کو ایک سرمایہ دار کے ہاتھ میں دیدیا۔ گویا متعدد سرمایہ داروں کو ایک سرمایہ دار میں تبدیل کیا۔ جو کمیونسٹ حکومت ہے۔ متعدد سرمایہ داروں میں عوام کے لئے یہ سہولت تھی۔ کہ اگر ایک سرمایہ دار کیطرف سے ان پر ظلم ہو تو دوسرے سرمایہ دار کیطرف رجوع کریں۔ اور اس کے ہاں نوکری یا مزدوری اختیار کریں۔ لیکن جب سرمایہ دار صرف ایک ہو، یعنی حکومت، تو عوام ظلم کی صورت میں کہاں جائیں گے — سرمایہ داروں کے مظالم کے ازالہ کے لئے عوام عدالت اور حکومت کی طرف رجوع کر کے ظلم کا انسداد کر سکتے تھے۔ لیکن جب واحد سرمایہ دار خود حکومت ہو تو اس کے ظلم سے بچاؤ کی کوئی تدبیر باقی نہیں رہی — سرمایہ دارو ں

کے مظالم سے نجات کیلئے نشر و اشاعت کے ذریعے احتجاج اور مظاہروں کی شکل میں عوامی رائے پر اثر ڈال کر ظلم کا ازالہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن کیمونسٹ حکومت جو واحد سرمایہ دار ہے۔ اس میں یہ صورت بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ ذرائع نشر و اشاعت حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ اور ہر احتجاج اور مظاہرہ خلاف قانون ہے ـــ ہڑتال کر کے مزدور سرمایہ داروں سے اپنے حقوق منوا سکتے تھے۔ لیکن جہاں روٹی خود حکومت کے ہاتھ میں ہو۔ وہاں ہڑتال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہڑتال کرنے کی صورت میں ہڑتال کرنے والے روٹی کہاں سے کھائیں گے ـــ بظاہر اس تحریک کو مزدور تحریک کا نام دیا گیا۔ لیکن مزدوروں کی کمائی میں سے صرف ان کو تین فی صد حصہ ملتا ہے۔ باقی ہر سرمایہ دار کیمونسٹ حکومت قبضہ کرتی ہے۔ (دیکھئے "سرمایہ دار اور اشتراکیت" ص۵۳)

معاشی ترقی میں رکاوٹ

کیمونزم معاشی ترقی کے خلاف ہے

یہ تحریک فطرۃً معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ معاشی ترقی کا مدار شخصی منفعت کا جذبہ ہے۔ معاشی ترقی جوش عمل و محنت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کے لئے انسانی فطرت میں محرک اسکی شخصی ملکیت اور شخصی منافعہ اور فوائد میں اضافہ ہے۔ ہر آدمی فطرۃً یہ چاہتا ہے۔ کہ دوسروں سے زیادہ محنت کر کے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرے۔ اور اپنے املاک میں اضافہ کر دے اگر اس جذبہ کو ختم کیا جائے اور ذرائع معاش سے بذریعہ محنت کمائی ہوئی دولت پر حکومت یا سٹیٹ کا قبضہ ہو، تو تعمیل حکم میں آدمی محنت تو کرے گا۔ لیکن یہ محنت اس رضاکارانہ محنت سے یقیناً کم ہوگی۔ جو جذبۂ اضافہ ملکیت کے تحت ہو۔ خواہ محنت کرنے والے کو حکومت کی طرف سے ضروریات حیات کا انتظام کیوں نہ ہو۔ کیونکہ صرف ضروریات حیات کا جذبۂ اکتساب دولت اور معاشی جدوجہد کا اصلی محرک نہیں۔ بلکہ اصلی محرک جذبہ اضافہ ملکیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیمونسٹ نظام نے اس غلطی کا احساس کر کے کیمونزم کے سابق نظریات میں ترمیم کر کے ایک حد تک شخصی ملکیت کو برقرار رکھنے کی اجازت دیدی۔ غیر فطری تحریکات کا انجام یہی ہوتا ہے۔

کمیونزم شرف انسانیت کا توڑ ہے

انسان کی اصلی شرافت اس کی حریت فکر و عمل ہے۔ اگر یہ حریت نہ ہو تو انسان مقام شرف انسانیت سے گر کر ایک حیوان بن جاتا ہے۔ حیوانی زندگی کیا ہے۔ حیوان مثلاً گھوڑے بیل کا اپنا اختیار نہیں۔ وہ ہمارے اختیار کے مطابق چلتا ہے۔ جو کام ہم اس سے لینا چاہیں وہی انجام دیتا ہے۔ اور پھر ہم اسکو گھاس دانہ کھلاتے ہیں ـــ کیمونزم عوام سے اسی طرح کام لیتا ہے۔ جیسے انسان حیوان سے اور

پھر اس کے روٹی کپڑے کا بندوبست کرتا ہے۔ کمیونزم سٹیٹ کے آگے انسان کے فکر وعمل کی آزادی اور اپنا منشا ختم ہو جاتا ہے۔ اور سٹیٹ کے منشا کو پورا کرنا اس کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ انسان کی صورت میں حیوان بن کر سٹیٹ کے منشا کی تکمیل کے لئے کام کرتا ہے۔ اور اس کے عوض میں روٹی کپڑا حاصل کرتا ہے۔ کمیونزم نے حقیقی خدا کا تو انکار کیا۔ لیکن سٹیٹ اور حکومت کے چند با اقتدار افراد کو خدا بنانے کی تلقین کرتا ہے۔ جو حقیقی خدا سے بغاوت اور اپنے جیسے عاجز مصنوعی خدا کی اطاعت گذاری کی ایک خود ساختہ شکل ہے۔ ان دونوں خداؤں میں بڑا فرق ہے۔ اصلی خدا جان اور روزی دیتا ہے۔ اور مصنوعی خدا نان دے کر جان چھینتا ہے۔ جان سے مراد شرف انسانیت ہے۔

آں خدا نانت دہد جانت دہد — ایں خدا نانت دہد جانت برد
آں خدا یکتا است ایں صد پارہ — آں ہمہ چارہ و ایں بےچارہ

کمیونزم کی بنیاد نفی پر ہے۔ اثبات پر نہیں۔ حالانکہ صرف نفی سے تسکین قلب نہیں ہوتی جب تک اصلی خدا کا اثبات نہ ہو جو دلوں کے لئے سہارا بن سکے۔ اگر یہ سہارا اٹھ جائے۔ تو انسان ضعیف کی پر آلام ومصائب زندگی کے لئے کوئی سہارا باقی نہیں رہتا۔ کمیونزم کا یہ حال ہے کہ بقول اقبالؒ؛

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ — لا سلاطین لا کلیسا لا الٰہ
فکر او در تند باد لا بماند — مرکب خود را سوئے الّا نراند

اگر گہری نظر سے دیکھا جائے۔ تو کمیونزم کے یہ تینوں منفی ستون بھی غلط ہیں "لا الٰہ" میں اصلی خدا قادر مطلق کا تو انکار ہے۔ لیکن کمیونزم میں حکمران جو کہ عاجز انسان ہے۔ اسکی خدائی کا اقرار ہے۔ یعنی ذات قوی کی خدائی سے انکار اور ضعیف، عاجز اور فانی کی خدائی کا اقرار ہے۔ اس طرح "لا سلاطین" میں چھوٹے بادشاہوں کا انکار ہے لیکن "سٹیٹ حکمران" ایک بڑے سلطان کی سلطانی کا اقرار ہے۔ اور یعنی چھوٹے سانپوں کو ہٹا کر ایک بڑے اژدہا کو ان کی جگہ مسلط کرنے کا اقرار ہے۔ لا کلیسا میں مذہب کا انکار ہے یعنی اصلی اور خدائی مذہب کا تو انکار ہے لیکن خود ساختہ مصنوعی انسانی مذہب کا اقرار ہے۔ جو خود کمیونزم کے اصول ہیں۔ جن کو انہوں نے مذہب سے بڑھ کر اپنے لئے لائحہ حیات بنایا ہے۔

کمیونزم فطرت انسانی کے خلاف جنگ ہے

اشتراکی مفکرین کے نظریات کا خلاصہ افراد میں مصنوعی مساوات پیدا کرنا ہے۔ اگرچہ یہ بھی صرف پروپیگنڈا ہے حقیقت اس کے خلاف ہے۔ "رسالہ فریڈم فرسٹ" کی رپورٹ

مندرجہ "پاسبان" کوئٹہ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۲ء میں ہے۔ کہ "اسٹالین کی سالانہ آمدنی آٹھ لاکھ روبل یعنی تقریباً نو لاکھ روپیہ پاکستانی ہے۔ اور اشیاء ضرورت اس کو اصل لاگت سے اسی فیصد کم قیمت پر ملتی ہیں۔ دیگر اخراجات سرکاری ہیں۔" کیا یہ رعائتیں روس کے تمام افراد کو حاصل ہیں۔ یہ روسی حکمران مدعی مساوات کا حال ہے۔ لیکن اسلامی خلیفہ ابوبکر صدیق رضؓ کی سالانہ تنخواہ عوام کے اضافہ تنخواہ کے اصرار کے باوجود دو ہزار درہم یعنی پانچ سو روپیہ سالانہ پاکستانی سکہ سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ سلطان عالمگیرؒ خزانہ کو عوام کا حق سمجھ کر تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ حکومتی مصروفیات سے فارغ وقت میں قرآن نویسی سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ لیکن اگر اس مصنوعی غیر واقعی دعویٰ کو اگر فطرت کے اصول پر جانچا جائے تو یہ اصول فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ رزق اور مال دو ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک قوت فکریہ یعنی دماغی قوت سے دوم قوت عملیہ یعنی بدن کی طاقت سے، اہل قلم، وکلاء، وزراء، مدبرین وغیرہ ذہنی اور دماغی قوت سے مال حاصل کرتے ہیں۔ اور مزدور کسان وغیرہ بدنی قوت سے۔ خالق کائنات نے افراد انسانی میں یہ دماغی اور بدنی دونوں قوتیں مساوی نہیں رکھیں۔ بلکہ کسی حکمت کی وجہ سے متفاوت رکھی ہیں۔ نہ سب انسان ذہن، عقل اور دماغی قوت میں برابر ہیں۔ اور نہ ہی بدنی قوت میں۔ تو جب علت اکتساب رزق میں فطرۃً تفاوت ہے۔ تو اس کے آثار و نتائج میں بھی ضرور تفاوت ہوگا۔ کوئی زیادہ مال کماتا ہوگا، کوئی کم۔ یہی وجہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں دیگر فطری امور کی طرح انسانی افراد میں مالی تفاوت برابر قائم رہا ہے۔ کیونکہ وہ فطرۃً ان دو عملی اور بدنی قوتوں کے تفاوت کا نتیجہ ہے۔ بسا اوقات ایک باپ کے دو بیٹے آبائی جائداد آپس میں برابر تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن چند سال کے بعد ایک بیٹا اصل سرمایہ کھو دیتا ہے۔ اور دوسرا آبائی سرمایہ میں اضافہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ دونو بیٹوں کے فطری تفاوت نے نتائج کا یہ تفاوت پیدا کیا۔ اور وراثتی مساوات کو توڑ دیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ مصنوعی معاشی مساوات فطرت کے ساتھ نہیں چل سکتی فطرت جلد اسکو توڑ دیتی ہے۔ بنا برایں اشتراکیت کی مصنوعی مساوات فطرت انسانی کے خلاف جنگ ہے۔ اُنظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ۔ (دیکھو کہ کس طرح انسانوں کے رزق میں ہم نے تفاوت رکھا ہے۔ قرآن)

اشتراکیت انسانی اخوۃ کے خلاف جنگ ہے

اشتراکیت اور کمیونزم انسانوں کے دو طبقوں میں دوامی عداوت اور دشمنی کا بیج بوتا ہے۔ اور ایک طبقے کو دوسرے سے لڑاتا ہے جس سے انسانی اخوۃ اور معاشرہ

پارہ پارہ ہوجاتا ہے۔ انسانی افراد کی محبت باہمی، عداوت باہمی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اور جس طبقہ کو قوت حاصل ہوتی ہے، وہ دوسرے طبقہ کے خون بہا دینے کو نیک عمل قرار دیتا ہے۔ موجودہ دور میں بھی انسانی آبادی کو ان دو خلاف فطرت نظریات (سرمایہ داری اور کیمونزم) نے دو عظیم بلاکوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر بلاک اسلحہ سازی کی دوڑ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس ایٹمی دور میں ان دونوں بلاکوں کے درمیان جنگ ہو جو ناگزیر ہے۔ تو انسانوں کی اکثر آبادی خاکستر کا ڈھیر ہو جائے گی۔ اور صدیوں کی تعمیر ان دونوں غیر فطری نظریات کی پیدا کردہ جنگ کی وجہ سے خاک کا تودہ بن کر رہ جائے گی۔ (باقی آئندہ)

صفحہ ۲۲ سے آگے:-

پہلے آپ کے کمالات بیان فرمانے لگے تو آپ نے یعنی شاہ صاحبؒ نے فوراً ان کو بٹھا دیا۔ اور فرمایا کہ بھائی انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے۔ ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ ہم سے گلی کا کتا بھی اچھا ہے۔ ہم اس سے بھی گئے گذرے ہیں — جب یہ بات مجمع نے سنی تو سب چیخیں مار اٹھے۔

★ —— احقر محمد لائلپوری عفا اللہ عنہ اور مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوری دونوں بطور مختار کام کر رہے تھے۔ ہمارے واسطے بھی سرکاری طور پر بہاولپور میں دو کرسیاں بچھائی گئی تھیں حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے ہم کیسے کرسیوں پر بیٹھتے۔ پھر جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے احقر کو حوالہ نکالنے پر مقرر فرمایا تھا۔ تو اس وقت حافظہ حضرت کا دیکھ کر تعجب ہوا کہ کتاب کا صفحہ تک بتلاتے تھے۔ کیونکہ جج صاحب خود حوالہ دیکھ کر آگے چلتے تھے۔ جلال الدین شمس اور غلام احمد مجاہد دونوں قادیانیوں کی طرف سے نمائندہ تھے۔ ان کے لئے بھی کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ جس روز حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان شروع ہوا تو میں اور مولوی اسعد اللہ صاحب تو کھڑے رہے وہ مرزائی بھی دونوں کھڑے ہی رہے۔ چنانچہ پانچ روز ایسا ہی ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے آرام کرسی جج صاحب نے بچھائی تھی کیونکہ ان دنوں حضرت بیمار تھے۔

★ —— بہاولپور کا قصہ ہے جلال الدین شمس جو کہ قادیانی کا نمائندہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے بیان کے وقت وہ بھی حاضر تھا۔ اس کی عادت تھی۔ بہت اونچا اونچا بولتا تھا۔ چنانچہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے بیان میں اس نے بہت شور مچایا۔ مولانا محمد شفیع صاحب کے بیان میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت شاہ صاحب کا بیان ختم ہوا تو احقر چونکہ مدعیہ کی طرف سے بطور مختار کام کرتا تھا۔ احقر نے جلال الدین سے پوچھا کہو مزاج کیسے ہیں وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ مزاج کیوں پوچھتے ہو میں نے کہا آج تو ذرا شمس کو درست ہو گیا یا نہیں وہ بڑا ہی نادم ہوا۔